مرثیہ

درحالات قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباسؑ

سنہ تصنیف ۱۳۳۸ھ

(بند: ۱۵۴)

دعبل ہند مولانا سید فرزند حسین ذاخر اجتہادی

(۱)

جب انتہائے شامِ مصیبت گذر گئی
بے تابیوں کی ملکِ عدم تک خبر گئی
ٹھنڈی ہوا سے یوں تپِ فرقت اتر گئی
جو دل کی آگ تھی وہ چراغوں کے سر گئی
حدت جگر کی لعلِ سرتاج ہوگئی
شعلہ کو کوہِ طور پہ معراج ہوگئی

(۲)

کیسی وہ آگ تھی جو جلا کی تمام رات
کس دل کو جستجو تھی دوا کی تمام رات
دردِ جگر سے کس نے قضا کی تمام رات
آتی رہیں صدائیں دعا کی تمام رات
نالے دہن کے بے اثر و پُر اثر رہے
سامانِ زندگی و قضا رات بھر رہے

(۳)

غم دوست جو ہیں ان کو جہاں میں خوشی سے کیا
دیکھے نہیں شعارِ ملک آدمی سے کیا
چلتی نہیں ضعیف کی قوت قوی سے کیا
اپنی پڑی ہوئی تھی کسی کو کسی سے کیا
داغِ دل و جگر کے تعلق بھلا دئے
بے درد وہ چراغ تھے جو مسکرا دیئے

(۴)

جنبش بڑھا کی قلبِ تپاں کی کبھی کبھی
ایذا اٹھائے تنگ مکاں کی کبھی کبھی
بھڑکائی آگ سوز نہاں کی کبھی کبھی
دردِ جگر بڑھا جو فغاں کی کبھی کبھی
پاتا رہا کچھ اور بھی پہلو ملال کے
روتا ہوں طفلِ اشک کو گودی میں پال کے

(۵)

آتے رہے تپش کے مہینے کبھی کبھی
ملتے رہے اجل کے قرینے کبھی کبھی
رخ پر بہے جبیں کے پسینے کبھی کبھی
بے ناخدا چلے ہیں سفینے کبھی کبھی
رخسار کے چلے ہوئے ساحل تک آگئے
دامن گواہ ہیں حدِ منزل تک آگئے

(۶)

گردش دکھا رہا تھا زمانے کا انقلاب
رخسارِ صبحِ غم سے سرکتی نہ تھی نقاب
پنہاں رہا ہوا سے دلوں کا نہ پیچ وتاپ
پچھلے سے اور بڑھ گیا شعلے کا اضطراب
نورا اپنی حد سے بڑھ جو نہ سکتا تھا داغ کا
کانپ اٹھتا تھا زمیں پہ اندھیرا چراغ کا

(۷)

آرام خوب تھا تعب آیا تو یہ کھلا
رحمت وسیع تھی غضب آیا تو یہ کھلا
ہم مضطرب تھے وقتِ شب آیا تو یہ کھلا
دم دل سے کھنچ کے تا بہ لب آیا تو یہ کھلا
عالم میں اک غریب کے مقتل کی رات ہے
ظلمت پکارتی ہے کہ جنگل کی رات ہے

(۸)

گر ایک تیرگی ہو تو ہو موردِ زوال
ظلمت پہ ظلمتیں ہیں کرے خیر ذوالجلال
وجہِ الم ہے گود کے پالوں کا انتقال
قبلِ غروب کھل چکے ہیں بی بیوں کے بال
روشن دلوں کی اور بھی مٹی خراب ہے
چہرے پہ آفتاب کے دہری نقاب ہے

(۹)

تھی آرزوئے دل کہ کراہیں تمام رات
کھولا کیں رازِ عشق کو آہیں تمام رات
ڈھونڈھا کیں نورِ حق کو نگاہیں تمام رات
چلتے رہے عروج کی راہیں تمام رات
تھے جمع زاد کو وہ مسافر تلے ہوئے
بستر بندھے ہوئے تھے مصلّے کھلے ہوئے

(۱۰)

شامِ فراق طرزِ محبت میں کٹ گئی
دنیائے عشق حسنِ طریقت میں کٹ گئی
عمر دو روزہ جوششِ رقت میں کٹ گئی
ایسی غضب کی رات عبادت میں کٹ گئی
لَو شمع کی تھی عہد کی تجدید کے لئے
انگلی اٹھی تھی کلمۂ توحید کے لئے

(۱۱)

راحت کسی نے غم میں نہ چاہی تمام رات
جھیلی غم و الم میں تباہی تمام رات
دردِ دل و جگر میں نباہی تمام رات
کی خشک لب سے حمدِ الٰہی تمام رات
مغرب کی سمت زلفِ گرہ گیر کھینچ دی
سوزِ جگر نے مہر کی تصویر کھینچ دی

(۱۲)

پیدا حجابِ شب سے سحر کا ظہور تھا
محرومِ رنگ، جلوہ گہہِ کوہِ طور تھا
وہ بھی قریبِ غرب تھا جو نجم دور تھا
اک سمت اوس ایک طرف جوشِ نور تھا
ساماں تھے آسمان و زمیں پر غروب کے
ٹھنڈے چراغ ہوگئے پانی میں ڈوب کے

(۱۳)

وہ منتشر تھا رات کے جو کارواں میں تھا
گردش سے آسماں کی تغیر جہاں میں تھا
اک تہلکہ زمیں کی طرح آسماں میں تھا
بس اک سکوں تلاطمِ اشکِ رواں میں تھا
اب وہ نہیں جو رات کے تھے غم دئے ہوئے
دامن میں ہوں فلک کے ستارے لئے ہوئے

(۱۴)

پیدا ستم کی شب میں خیالِ دوا تو تھا
فرقت کی ناامیدیوں میں مدعا تو تھا
جاتی ہوئی حیات کا کچھ آسرا تو تھا
گو ایک ہی تھی رات مگر فاصلا تو تھا
حدِّ یقیں تک آکے قرینے پہنچ گئے
دن کی طرح قضا کے سفینے پہنچ گئے

(۱۵)

ظلمِ سپاہِ شر خطِ تقدیر تو نہ تھا
شب کا اندھیرا پرتوِ شمشیر تو نہ تھا
خوں دل کا رنگِ پیکرِ تصویر تو نہ تھا
اپنا نفس ہوائے پرِ تیر تو نہ تھا
دل کو امورِ خیر کی جوئندگی تو تھی
گو موت کا اثر تھا مگر زندگی تو تھی

(۱۶)

اب تک نہ آئی جو وہ فلک سے بلا چلی
امیدِ قتلِ خونِ تمنا بہا چلی
زہراؑ کا گھر اجاڑنے رن میں قضا چلی
بن کر نسیمِ صبح مخالف ہوا چلی
بے تابیوں کے دامنِ عبرت میں راز تھے
ڈوبے لہو میں جو وہ بہتر جہاز تھے

(۱۷)

دل ہل گئے جہاں کے مصائب لئے تو یوں
خوشنودیٔ الٰہ میں گر سر دئے تو یوں
جامِ مئے ولا و محبت پئے تو یوں
ان غازیوں نے صبح کو سجدے کئے تو یوں
پنہاں جو تھے وہ دل کے ارادے دکھا دئے
سائے میں ناوکوں کے مصلّے بچھا دئے

(۱۸)

جاں دی مگر خیالِ شہؑ نیک خو کیا
تن وقفِ تیر ہائے سپاہِ عدو کیا
سو جا سے چاک پیرہنِ آرزو کیا
پانی نہیں ملا تو لہو سے وضو کیا
بگڑے اگر تو ہوشِ سپہ رن میں کھو دئے
کہنی تک اپنے ہاتھ لہو میں ڈبو دیئے

(۱۹)

کعبے کا رخ تھا محو، ثنا و دعا میں تھے
تھے وہ دلوں میں جذب جو قبلہ نما میں تھے
مخفی عجیب راز نمازِ خدا میں تھے
غازی ریاضِ خلد میں یا کربلا میں تھے
راغب ہوئے نہ جلوۂ دنیائے زشت پر
پیشانیاں رکھے تھے زمینِ بہشت پر

(۲۰)

رن میں صفوف، بانیٔ شر باندھنے لگے
پائے سپاہ تارِ نظر باندھنے لگے
اپنی ہوائیں نقشِ اثر باندھنے لگے
ٹوکے ہوئے دلیر کمر باندھنے لگے
گلزارِ آرزو میں گل جنگ کھل گیا
تیغیں کھنچیں فراغ جو سجدوں سے مل گیا

(۲۱)

مشہورِ خاص و عام ہے اس روز کا جدال
اک تہلکہ تھا کون و مکاں میں دمِ قتال
لاکھوں کا خوں بہا کے کیا خود بھی انتقال
ویراں ہوئی تھی مملکتِ دیں پسِ زوال
بے جان زخم کھائے ہوئے رن میں شیر تھے
یا فاطمہؑ کا لال تھا یا دو دلیر تھے

(۲۲)

دونوں تھے اپنے عصر میں یکتائے روزگار
اک نوجواں شبابِ پیمبرؐ کا ورثہ دار
اک شکل سے علیؑ کی جلالت تھی آشکار
اک صف شکن تھا ایک نمودار و نامدار
ان دونوں ہی سے دین کے لشکر کا اوج تھا
اک میرِ قلب ایک علمدارِ فوج تھا

(۲۳)

جب سے ہوا تھا قتل دل و جانِ مجتبیٰؑ
بے انتہا تھا غیظِ علمدارِ باوفا
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے سوئے لشکرِ جفا
کھلتی نہ تھی کہ کیا ہے ارادے کی انتہا
جو آرزو ہے دل کی وہ دکھلا رہی ہے آنکھ
تیور یہ کہہ رہے ہیں غضب ڈھا رہی ہے آنکھ

(۲۴)

گو ہیں بہت قریب شہِؑ آسماں حشم
لیکن نہ تھا یہ دھیان کہ ہیں کس جگہ پہ ہم
ڈوبا ہوا خیال میں ہے قلبِ پُر الم
بڑھ بڑھ کے اپنی حد میں سرک آتے ہیں قدم
شاید ہے بزدلوں کی طرف عزم شیر کا
غصّہ کسی طرح نہیں رکتا دلیر کا

(۲۵)

آجاتا ہے یہ راز کبھی لب کے متصل
کہہ اٹھتے ہیں یہ جوش میں کیوں شہؑ ہیں مضمحل؟
موجود ابھی غلام ہے اور غم یہ جانگسل
ہم پر ظفر ہو فوج کو اتنے نہیں ہیں دل
قصہ ابھی تمام ہو افواجِ شام کا
ہم کیا کریں، کہ اِذن نہیں ہے امامؑ کا

(۲۶)

دل دم بدم جو ہوتا ہے پہلو میں بے قرار
منھ رکھ کے، خشک مشک پہ، کہتے ہیں بار بار
سینے میں زخم ڈالتے ہیں آنسوؤں کے تار
پیاسی ہو تین دن سے سکینہؑ، چچا نثار
بیٹا علیؑ کا رن سے نہ لشکر بھگا سکے
عباسؑ اور تم کو نہ پانی پلا سکے؟

(۲۷)

کہنے لگے گلے سے لگا کر امامِ دیںؑ
عباسؑ آج کیا ہے یہ حالِ دلِ حزیں
رکتا نہیں ہے کیوں غضبِ شیرِ خشمگیں
کیا کرلیا ہے عزمِ وغائے سپاہِ کیں
چھالے دل وجگر کے مشابہ ہیں اشک سے
بھائی بھی وہ سنے کہ جو باتیں ہیں مشک سے

(۲۸)

جب حدِّ محویت میں سنی شاہؑ کی صدا
ڈوبے ہوئے خیال سے دل ہوگیا جدا
پہلے نگاہ کی طرفِ شاہِؑ کربلا
پھر کی یہ عرض اے جگر و جانِ مصطفیٰؐ
مشکِ سکینہؑ نہر سے بھر لینے دیجئے
ہم کو سپہ سے فیصلہ کرلینے دیجئے

(۲۹)

پاکر امامِ عصرؑ کو مظلوم و بے دیار
سمجھی ہے اپنے زعم میں فوجِ ستم شعار
ہے حلقِ خشکِ سرورِؑ دیں اور چھری کی دھار
پیاسا ہے گو غلامِ شہِؑ آسماں وقار
لیکن ہے اختیار میں پانی حسام کا
بیڑا ابھی ڈبوتا ہوں افواجِ شام کا

(۳۰)

عالم میں ہے یہ کفر کہ اسلام کے یہ طور؟
نازاں ہیں اپنی قوتوں پر صاحبانِ جور
دیکھے نہیں ہیں گردشِ تیغِ بلا کے دور
لختِ دلِ علیؑ کو سمجھتے ہیں کوئی اور
روکے اگر سپاہ تو چہرے بگاڑ دوں
کوفے کے در پہ رایتِ اسلام گاڑ دوں

(۳۱)

اس برہمی کو دیکھ کے سمجھے یہ شاہِؑ دیں
اب بے رضا لئے ہوئے مانیں گے یہ نہیں
ہوجائے روکنے سے نہ خونِ دلِ حزیں
اچھا تو ہے کہ جائیں سوئے فوجِ اہلِ کیں
غم کے ہجوم پر تعب اتنا نہ چاہئے
جاں دینے والے کو غضب اتنا نہ چاہئے

(۳۲)

غصہ کی آنکھ کہہ رہی ہے انتہائے غیظ
ایسا نہ ہو الٹ دے زمانہ ہوائے غیظ
ہے یہ مقامِ قتل نہیں ہے یہ جائے غیظ
ہوں گے خفا کہوں گا اگر میں نہ آئے غیظ
جاؤ مکاں میں اذن کو لے کر حسینؑ سے
اب برہمی یہ جائے گی بہنوں کے بین سے

(۳۳)

باتیں یہ دل سے کرکے شہِؑ آسماں جناب
کہنے لگے کہ اے جگر و جانِ بوترابؑ
مائل ہیں کیوں بکا کی طرف دیدۂ پُر آب
گھر جاکے دیکھو کیفیتِ حالتِ خراب
تسکینِ دل کوئی تو دمِ اضطراب دو
سیدانیاں پکار رہی ہیں جواب دو

(۳۴)

یہ کہہ رہے تھے شہؑ جو صدا آئی ناگہاں
کرتی ہیں یاد بازوئے سرورؑ کو بی بیاں
کب تک سپاہ لے گی صغیروں کا امتحاں
تشنہ لبی سکینہؑ و اصغرؑ پہ ہے گراں
ایذا یہ پیاس کی ہے دلِ دردناک پر
جھولے میں کوئی، کوئی تڑپتا ہے خاک پر

(۳۵)

اٹھے فغاں یہ سن کے علمدارِ ذی حشم
یہ عرض کرکے شہؑ سے چلے جانبِ حرم
دیکھیں وہ کس طرح سے جو بچوں پہ ہیں ستم
پانی اگر نہ لائے تو کس کام کے ہیں ہم
تکلیف دردِ قلب کی حد سے گذر نہ جائے
اب تو یہ خوف ہے کوئی معصوم مر نہ جائے

(۳۶)

کہتے ہوئے یہ آئے مکاں میں بدرد و غم
بنتِ علیؑ جہاں تھیں وہیں تھم گئے قدم
غازی کے دوش پر جو دکھائی دیا علم
ماتم کی صف سے بی بیاں اٹھیں بچشمِ نم
پیشِ نگاہ تھے جو ستم فوجِ شوم کے
رونے لگا ہر ایک پھریرے کو چوم کے

(۳۷)

بنتِ علیؑ کی تھی اسی رونے میں یہ صدا
مرتے ہیں اب تو پیاس سے بچے، بہن فدا
ہے پُر اثر سکینہؑ و اصغرؑ کا ماجرا
اک جاں بلب ہے ہوش نہیں ایک کو ذرا
بھیگی ہوئی جبیں میں قرینہ ہے موت کا
ماں تو سمجھ رہی ہے پسینہ ہے موت کا

(۳۸)

دونوں کی کیفیت نہیں اک دوسرے سے کم
بگڑی ہے اک کی نبض تو اکھڑا ہے اک کا دم
خود حالتِ ربابؑ ہے ہر دل کو وجہِ غم
مانوس دونوں ماں سے ہیں، لیں کس طرح سے ہم
سمجھو تو عمر بھر کی تمنا ہے گود میں
زانو پہ ہے کوئی، کوئی بچہ ہے گود میں

(۳۹)

تکلیفِ کرب و نزع سے الجھن میں کیا نہیں
آثار موت کے ہیں پہ اب تک قضا نہیں
بچوں کی تشنگی کی کوئی انتہا نہیں
بڑھتے ہوئے مرض کو میسر دوا نہیں
وا چشمِ شوق ایک کی ہے ذکرِ جام سے
کھولے ہوئے ہے منھ کوئی پانی کے نام سے

(۴۰)

نازک دلوں پہ بڑھ چلا وہ موت کا ستم
سن کے وہ ڈھل چلیں وہ ہوا گردنوں میں خم
وہ نیم باز ہوکے ہوئی بند چشمِ نم
وہ ہچکیاں لبوں تلک آئیں رکا وہ دم
کچھ تو خیال بچوں کا ہنگامِ بد کرو
بھائی! بہن نثار ہو، جلدی مدد کرو

(۴۱)

بولا تڑپ کے بازوئے سرورؑ، ابھی ابھی
لاتا ہوں مشک نہر سے بھر کر، ابھی ابھی
ہوگی تسلئ دلِ مضطر، ابھی ابھی
ہٹ جائے گا فرات سے لشکر، ابھی ابھی
مرضئ حق ہوئی تو ابھی مشک لاؤں گا
بچوں کو لے کے گود میں پانی پلاؤں گا

(۴۲)

کانٹے زبان کے ہیں تری کے امیدوار
سوکھے ہوئے لبوں کو ہے پانی کا انتظار
آغوش میں میں لوں بھی تو ممکن نہیں قرار
کہیئے گا یہ جو غش سے سکینہؑ ہو ہوشیار
دینا نہ جان تشنہ دہانی کے واسطے
سقا گیا ہے نہر پہ پانی کے واسطے

(۴۳)

اٹھے یہ کہہ کے حضرتِ عباسؑ مہ جبیں
سیدانیوںؑ کے رونے سے ہلنے لگی زمیں
در تک گیا تھا قوتِ بازوئے شاہِؑ دیں
ناگہ صدا یہ آئی کہ تھمیے ذرا کہیں
تسکینِ دل کوئی نہ کوئی دیتے جایئے
بچوں کو ساتھ بہرِ وغا لیتے جایئے

(۴۴)

زائد ہوں تربیت سے جواں مردیوں کے رنگ
سکھلاتا جائے بازوئے سرورؑ وغا کا ڈھنگ
بڑھتی ہی جائے چھوٹی سی تلوار کی امنگ
روکیں خدنگ ننھے سے سینوں پہ وقتِ جنگ
اپنا لہو گرائیں پسینہ پہ آپ کے
بچے سعید وہ ہیں، جو کام آئیں باپ کے

(۴۵)

لے لیجئے کسی نہ کسی امتحان کو
دیجے بڑے کو تاکہ یہ کھینچے کمان کو
بٹھلا کے زینِ اسپ پہ ننھی سی جان کو
کچھ دور دیکھئے تو سواری کی شان کو
فکرِ شکار غیظ بھری چتونوں کو ہے
چھوٹا ابھی سے الٹے ہوئے دامنوں کو ہے

(۴۶)

دریا پہ جوشِ جنگ بڑھے گر دلیر کا
دے دیجئے گا مشک کہ رستہ ہے پھیر کا
نازک پڑا ہے وقت محل ہو نہ دیر کا
پانی لے آئے گا کہ یہ بچہ ہے شیر کا
تازہ کوئی تو بات کسی منچلے میں ہو
ہیکل کی طرح مشکِ سکینہؑ گلے میں ہو

(۴۷)

یہ کہہ چکیں جو زوجۂ عباسؑ نامدار
بازوئے شاہؑ دیں کی مڑی چشمِ اشکبار
بیٹوں کا ہجر تھا جو دلِ ناتواں پہ بار
اک کو گلے لگا کے کیا دوسرے کو پیار
قابو میں جو نہ تھی وہ طبیعت سنبھال لی
گودی میں لے کے دل کی تمنا نکال لی

(۴۸)

زوجہ سے پھر یہ بازوئے شہؑ نے کیا بیاں
کم فرصتی میں دل کو ہے تابِ سخن کہاں؟
ہوگا مرا فراق تمہیں بھی بہت گراں
پاتے نہ گر طویل تو سنتے یہ داستاں
ڈرتا ہوں دل پہ پیاس کا صدمہ گذر نہ جائے
دریا سے آتے آتے کوئی گھر میں مر نہ جائے

(۴۹)

کچھ تو کرو خیالِ جگر بندِ بوترابؑ
مچلے ہوئے ہیں دیر سے بچے برائے آب
دیکھ آیا ہوں سکینہؑ و اصغرؑ کا اضطراب
کس کو دلاسا دیں، کسے گودی میں لیں ربابؑ
آرام دردِ قلب سے پاجائے گود میں
لے لو تم اس کو جا کے جو آجائے گود میں

(۵۰)

اتنی نہ اپنے گود کے پالوں کی لو خبر
ہو جس سے شاہزادیوں کے قلب تک اثر
خدمت سے خادموں کو نہ مہلت ملے اگر
رغبت نہ ان پہ ہوگی جئیں یا مریں پسر
اصغرؑ کی طرح گیسوؤں والے نہیں ہیں یہ
شہزادیوں کی گود کے پالے نہیں ہیں یہ

(۵۱)

تیغ عطش سے قلبِ سکینہؑ ہے چاک چاک
شہزادیوں کی گود کے پالے نہ ہوں ہلاک
اپنے دل و جگر سے نہ ایسا رہے تپاک
رو کر ضدیں کریں کہ یہ مچلیں بروئے خاک
دل توڑیو نہ آنکھ مروت سے موڑ کے
گودی میں لیجیو نہ سکینہؑ کو چھوڑ کے

(۵۲)

غربت میں کون ہے جو مسافر پہ رحم کھائے
دل کب تلک امامِؑ دو عالم کا رنج پائے
جس سے تباہ ہو یہ مکاں وہ گھڑی نہ آئے
بے حد ہے پیاس چھوٹے ہیں بچے، خدا بچائے
ہے اک طرح سحر سے جفا فوجِ شام کی
لٹتی ہے کربلا میں کمائی امامؑ کی

(۵۳)

صورت بغور دیکھ کے زوجہ نے یہ کہا
یہ تو وہ حکم ہے کہ جو ہے عینِ مدعا
گودی وہی ہے جس میں پلے کوئی مہ لقا
لیکن یہ آخری ہے ملاقات، میں فدا
تھی جو رندھی ہوئی وہ طبیعت بہل گئی
خوش ہوئیے کہ دل کی تمنا نکل گئی

(۵۴)

مجھ سے چھپا نہیں کسی تقریر کا مآل
مانع پئے جدال ہوں میں، کیا مری مجال؟
لیکن عجیب حسن سے لی رخصتِ جدال
ہم کو تباہ کر کے چلے اے علیؑ کے لالؑ!
افلاک کی جفائیں ہیں قسمت کے دور ہیں
لونڈی نثار ہو یہ رنڈاپے کے طور ہیں

(۵۵)

سن کر بیان زوجۂ ناشاد و دل فگار
روتا ہوا بڑھا خلفِ شیرِ کردگار
پردے تلک رہا دلِ بے تاب بے قرار
اٹھی حجابِ در کی طرح چشمِ اشکبار
چھوٹے وہ غم کہ جو سببِ اضطراب تھے
اشکوں کے تار پردۂ در کی طناب تھے

(۵۶)

نکلا حرم سرا سے دل و جانِ مرتضیٰؑ
پہنچے قریبِ سرورِ دیں جب تو یہ کہا
اقبال سے حضور کے، لی جنگ کی رضا
ارشاد یہ ہوا کہ سبب دیر کا ہے کیا
پانی کی جستجو میں لبِ نہر جایئے
زیں پر سوار ہویئے گھوڑا بڑھایئے

(۵۷)

جب مل گئی امامؑ زماں سے رضائے جنگ
جھک کر کیا سلام ، بڑھی قلب کی امنگ
گھوڑے تک آ کے اور ہوا سرخ رخ کا رنگ
زیں پر ہوئے سوار بڑھا اسپ شوخ و شنگ
جنبش تھی کلکِ کاتبِ تقدیر کی طرح
سائے میں رنگ آ گیا تصویر کی طرح

(۵۸)

پہلا قدم فرس کا پڑا جب میانِ دشت
نکلی نہ حدِّ نعل سے باہر فغانِ دشت
لینے لگی ہوائے نفس امتحانِ دشت
اونچی ہوئی غبار سے کچھ اور شانِ دشت
پیدا تھا اوجِ خاک سے مسکن کلیم کا
پھیلا ہوا تھا طور پہ دامن کلیم کا

(۵۹)

رن میں کسی کے ساتھ رہے تین چار گام
تحریکِ سرسری سے ہوا تیز خوش خرام
اٹھ اٹھ کے آندھیاں ہوئیں مصروفِ اہتمام
ذروں نے بامِ چرخ پہ ڈالا تڑپ کے دام
دورِ فلک کو اپنا طرفدار کرلیا
عنقائے مغربی کو گرفتار کرلیا

(۶۰)

آئے بھلا خیال میں کیا تیزئ فرس
تھیں بن کی وسعتیں صفتِ تنگئ قفس
باگوں سے بھی نہ رک سکی بڑھتی ہوئی ہوس
سیاحِ چار دانگِ جہاں تھا ہر اک نفس
سیر آسمان کی حرکت سے حصول تھی
جنبش قدم کی مشرق و مغرب کا طول تھی

(۶۱)

روکے ہوئے ہے ساقِ قدم انقلابِ نعل
ہیں سم میں پتلیاں کہ بھنور میں حبابِ نعل
گرداب ہوں نہ غرق تو کچھ دیں جوابِ نعل
کھلتا نہ تھا تلاطمِ امواجِ آبِ نعل
دورِ جہاں کی طرح تغیر پسند تھے
دنیا کے بحر چار سفینوں کے بند تھے

(۶۲)

کھوئی سبک روی نے حبابوں کی آن بان
اونچے سُموں نے کر دیئے بیٹھے ہوئے مکان
مشغولِ سیرِ بحر ہے زیں پر علیؑ کی جان
مٹھی میں ہے تلاطم دریا خدا کی شان
ہیں اختیار میں جو قدم باد پا کے ہیں
باگیں نہیں ہیں ہاتھ میں دامن ہوا کے ہیں

(۶۳)

تھا جو نفس وہ تازہ کنِ گلشنِ خیال
وہ شوخیٔ نسیم وہ سر مستیٔ نہال
وہ اشکِ شبنمی کا پسینے پہ احتمال
کلیوں کا وہ فشار نزاکت بھری وہ چال
کیا پُر اثر وہ شے تھی جو پامال ہوگئی
پھولوں کا رنگ اڑا کفِ پا، لال ہوگئی

(۶۴)

آنکھیں وہ کیا جو حشر کے فتنے اٹھا نہ جائیں
وہ کیا سُموں کے ظرف جو دریا سما نہ جائیں
چالیں وہ کیا جو گردشِ عالم دکھا نہ جائیں
وہ پاؤں کیا جو بڑھ کے حدِ عرش پا نہ جائیں
گھوڑے کو آسماں کے ارادے حصول ہیں
باگوں پہ دستِ بازوئے سبطِ رسولؐ ہیں

(۶۵)

سمجھے روانیٔ فرسِ باوفا کو کون
طے کر چکا ہے وسعتِ ارض و سما کو کون
کم کردے قوتِ قدم باد پا کو کون
یوں اپنے اختیار میں لائے ہوا کو کون
کس سے رکے یہ زور جو حق کے ولی کا ہے
گانٹھے ہوئے لجام کو بیٹا علیؑ کا ہے

(۶۶)

راکب کا جتنا حکم تھا اتنا ہوا رواں
کچھ دیر میں پہنچ گیا اسپِ سُبک عیاں
حائل جو خاکِ دشت تھی فوجوں کے درمیاں
پردا ضیائے رخ سے پھٹا صورتِ کتاں
سمجھی نگاہِ فوج، ترقی کو نور کی
موسیٰ تھے کوہِ طور پہ بجلی تھی طور کی

(۶۷)

اللہ رے رعب و دابِ علمدارِ فوجِ شاہؑ
ہر رگ سے خوں کے رنگ کو لے آئی تھی نگاہ
تِلّی کی حد سے بڑھ نہ سکی کثرتِ سپاہ
بیٹھے ہوئے تھے زینِ فرس پر بعز و جاہ
رخ دھوپ کھا رہا تھا جو حیدرؑ کی جان کا
لہرا رہا تھا سر پہ پھریرا نشان کا

(۶۸)

ماتھے کی ہے شکن کا تقاضہ یہ بار بار
اک مشکِ خشک ساتھ ہے اے فوجِ نابکار
جانا ہے سوئے بحر اسد کو پئے شکار
پیاسا علیؑ کا شیر ہے دریا سے ہوشیار
ٹھنڈی ہوا سے اوج پہ بل کھا رہی ہے موج
اونچا علم جو ہے تو نظر آ رہی ہے موج

(۶۹)

نازاں ہے گھاٹ روک کے افواج بدصفات
جو صاحبانِ زور ہیں قادر ہے ان کی ذات
یکساں انھیں ہے موت کی دنیا ہو یا حیات
آئینہ علم میں نظر آتی ہے فرات
عالم مقامِ اوج پہ بھی جزر و مد کا ہے
پنجہ پکارتا ہے کہ قبضہ اسد کا ہے

(۷۰)

کاٹھی سے باہر آنے کو ہے تیغِ شعلہ ور
قابو میں ہے تلاطمِ افواجِ اہلِ شر
کہتا ہے دل کا جوش کہ پیاسے کی ہے ظفر
میداں میں ہوں گے ایک دمِ غیظ بحر و بر
دم بھر میں ڈوب جائے گا بیڑا زمین کا
دریا سے ہے ملا ہوا چاک آستین کا

(۷۱)

کھلتی نہیں ہے برہمئ دل کی انتہا
سوکھے ہوئے لبوں کا ہے انداز ہی جدا
جب تک یہ جائیں جائیں تلاطم نہ ہو بپا
منھ مشک کھول دیتی ہے بھرتی ہے جب ہوا
پیاسوں کی سانس پر ہے بھروسا حیات کا
پانی دہن تلک نہ کھنچ آئے فرات کا

(۷۲)

بے حدو بے قیاس جو ہے لشکرِ جفا
کھلتا نہیں کدھر ہے ترائی کا راستا
جھک جھک کے دے رہا ہے علم بحر کا پتا
ہوگی اسی مقام پہ گھمسان کی وغا
خیرہ ہوئی ہے چھوٹ سے اہلِ ستم کی آنکھ
دریا پہ پڑ رہی ہے ابھی سے علم کی آنکھ

(۷۳)

خود ساکنانِ بحر پہ دہشت ہے اس قدر
رہ رہ کے کانپ جاتے ہیں دریا کے جانور
پہلے ہی سے حباب ہیں چھوڑے ہوئے نظر
گردابِ آب غرق کئے دیتی ہے سپر
کھوئی ہیں مچھلیوں نے امیدیں حیات کی
تلواریں ڈالے دیتی ہیں موجیں فرات کی

(۷۴)

کچھ دیر تھم کے شیرِ جری نے یہ دی صدا
آگاہ مجھ سے ہے کہ نہیں لشکرِ جفا
سن لے رجز تو میان سے لوں تیغِ برق زا
کہتی ہے مجھ کو خلق جگر بندِ مرتضیٰؑ
ہوں نونہال گلشنِ زہراؑ کے پھول کا
پالا ہوا ہوں راکبِ دوشِ رسولؐ کا

(۷۵)

سمجھو تم اس کو خسروِ اسلام یا نہیں
سرسبز اسی کے پاؤں سے ہے آج باغِ دیں
ہے اس کے اختیار میں گردوں ہو یا زمیں
اللہ کی طرف سے ہے احمدؐ کا جانشیں
رتبہ ملک سمجھتے ہیں جانِ بتولؑ کا
عالم کا پیشوا ہے نواسہ رسولؐ کا

(۷۶)

خضرِ طریق و دینِ سلیمانِ کربلا
سروِ ریاضِ یثرب و بستانِ کربلا
نورِ الٰہ و مہرِ درخشانِ کربلا
بیکس عزیز کشتۂ مہمانِ کربلا
تم یہ کہو گے کون شہِؑ مشرقین ہیں
جن پر ہے بند آبِ رواں وہ حسینؑ ہیں

(۷۷)

آدم سے تا بہ احمدؐ ذی قدر و ذی وقار
آئے تھے اس غرض سے رسولانؑ نامدار
شائع کریں جہان میں احکامِ کردگار
اس خاکدانِ خلق کی منظور تھی بہار
قدرت خدا کی سب کو دکھانے کو آئے تھے
اجڑی ہوئی زمیں کے بسانے کو آئے تھے

(۷۸)

آلِ نبیؐ نے مثلِ نبیؐ کیں ریاضتیں
ایذائے اہلِ کفر سے بدلیں نہ قسمتیں
رلوادیا جہاں کو وہ پیش آئیں صورتیں
لیں اس غرض سے سر پہ زمانے کی زحمتیں
دے تازگی گلوں کو چمن روزگار کا
الجھا رہے نہ کانٹوں سے دامن بہار کا

(۷۹)

اہلِ حسد کے زور بھلا کس طرح گھٹیں
شاید نمو پہ آئے جو کل کوششیں بٹیں
بتلا رہی تھیں مچلے ہوئے کفر کی ہٹیں
سرسبز باغ ہو جو بہتر گلے کٹیں
خواہش نہ تیغ کی نہ ہوس آبِ جو کی ہے
اب خشک پتیوں کو ضرورت لہو کی ہے

(۸۰)

سر اپنا دے چکے گا جو احمدؐ کا جانشیں
سرسبز ہوگا خونِ گلو سے نہالِ دیں
اب احتیاج آبِ دمِ تیغ کی نہیں
آباد ہوتی جائے گی اسلام سے زمیں
رنگ اس کا جائے گا دل و جانِ بتول تک
پھولے پھلے گا قائمِ آلِ رسولؐ تک

(۸۱)

ہاتھوں بڑھے گی تیغ جگر گوشۂ علیؑ
کاٹھی سے یوں کھینچی، نہ کسی ہاتھ سے چلی
ہوجائے گا یہ تھوڑے ہی عرصہ میں منجلی
سن لینا فتح یاب ہوا کون سا ولی
عالم میں کفر کی جو تباہی کا روز ہے
وہ بارہویں امامؑ کی شاہی کا روز ہے

(۸۲)

ختمِ بیاں نہ تھا کہ غضب میں شریر آئے
باہر صفوفِ فوج سے برناو پیر آئے
پیغامِ جنگ لے کے وغا کے سفیر آئے
چپ ہوگئے جو فوجِ مخالف سے تیر آئے
خواہانِ موت کے لئے بے سود پند ہے
دل نے کہا سپہ کو لڑائی پسند ہے

(۸۳)

آتے ہی اس خیال کے آئی جبیں پہ چیں
اس طرح سرخ آنکھ ہوئی کانپ اٹھی زمیں
اللہ رے غیظ اٹھ گئی کہنی تک آستیں
بجلی کے دیکھنے کو جھکا طور کا مکیں
کہہ دے گی خود سپاہ جو عالم بدل گیا
کس نے سوالِ دید کیا کون جل گیا

(۸۴)

اک برق وش پکار چلی، لو وہ گھر چھٹا
کاٹھی چُھٹی کہ پیرہنِ سیم و زر چھٹا
ہنگامِ خواب سرمۂ جوشِ نظر چھٹا
آئینہ دستِ ظلم سے وقتِ سحر چھٹا
کیسی ملی نقاب جو ابرو کھلے رہے
الجھی نہ زلف دوش پہ گیسو کھلے رہے

(۸۵)

شاخِ نہالِ موت سے رنگِ خزاں چھٹا
آئی وہ عندلیبِ چمن، آشیاں چھٹا
باہر شمیم، گل سے چلی، بوستاں چھٹا
نکلی تڑپ کے حور، ریاضِ جناں چھٹا
اک حشر پھر پڑا درو دیوارِ مصر میں
یوسفؑ کی طرح آگئے بازارِ مصر میں

(۸۶)

کاٹھی سے باہر آگئی جب تیغِ برق دم
غازی نے رخ کیا طرفِ لشکرِ ستم
باجے بجے، سپاہ بڑھی، کھل گئے علم
بڑھ کر صفوں سے مل گیا اسپِ سبک قدم
جس سر پہ تیغ آگئی وہ منھ کے بل چلا
دو چار لاشیں روند کے گھوڑا نکل چلا

(۸۷)

وہ چھیڑ چھاڑ حسن کی وہ حسن وہ بناؤ
وہ کوچہ ہائے زخم وہ ظالم کی آؤ جاؤ
وہ سربلندیاں وہ سرِ عرش کا دکھاؤ
پانی کا وہ بہاؤ وہ اک ہاتھ کا ڈباؤ
زندہ رہا لعیں کہ یمِ غم میں مر گیا
دریا میں غرق ہوکے نہ جانے کدھر گیا

(۸۸)

اس کی کسی صفت میں جگہ غور کی نہیں
خواہاں یہ بے محل، ستم و جور کی نہیں
پابند یہ فلک کی طرح دور کی نہیں
عباسؑ کی ہے تیغ کسی اور کی نہیں
لاکھوں کا خوں بہائے گی میداں میں گھیر کے
جوہر نہیں ہیں تیغ پہ ناخن ہیں شیر کے

(۸۹)

دل دینے والوں کی ہیں صدائیں یہ دم بدم
بتلا رہے ہیں زخم تری چال کے ستم
سینوں میں اتنے نقش ہیں جتنے اٹھے قدم
جاں تیرے ساتھ رہتی ہے منھ دیکھتے ہیں ہم
ہے آرزوئے دل کہ کوئی مدعا ہے تو
خوں ہے قضا ہے دم ہے خدا جانے کیا ہے تو

(۹۰)

کیا ہے کمالِ سیفِ زبانی اسی طرح
کرتے ہیں قتل دشمنِ جانی اسی طرح
دل روندتے ہیں ظلم کے بانی اسی طرح
آتی ہے ظالموں پہ جوانی اسی طرح
پلٹا دیا ہے دہر میں مردوں کو گور نے
دنیا تباہ کی ہے کلائی کے زور نے

(۹۱)

ہاں ہاں ترا جمال ہے مانندِ برقِ طور
ہر تن اندھیری رات ہے اور تو سحر کا نور
عاشق سے ایسا ترکِ تعلق ہے کیا ضرور
روئے سیاہ دیکھ کے اتنا نہ کر غرور
جادے مروتوں کے جو ہیں چھوٹے جاتے ہیں
انگڑائیوں سے بندِ سپر ٹوٹے جاتے ہیں

(۹۲)

مُردوں کی نیند چال سے تیری اچٹ نہ جائے
بسمل سے ہٹ کے چل کہ زمانہ پلٹ نہ جائے
یہ رات ہے فراق کی بڑھ بڑھ کے گھٹ نہ جائے
سانسوں سے رخ پہ بکھری ہوئی زلف الٹ نہ جائے
چھن چھن کے نور آتا ہے باہر اسی طرح
چلمن سے جھانکتے ہیں ستمگر اسی طرح

(۹۳)

وہ تیغ کی ادا وہ ہجومِ سیاہِ شام
کچھ دیر زخم میں وہ لہو کی طرح قیام
وہ دل کے چھیننے میں نزاکت کا اہتمام
وہ مہربانیاں وہ نصیحت بھرے کلام
وہ راہ کیوں پسند کرو جس میں پھیر ہو
قصہ کوئی سناؤ جو مرنے میں دیر ہو

(۹۴)

دیکھی ہے مثل میرے کوئی تیغِ شعلہ بار
نازاں ہوں پا کے دستِ علمدارِ ذی وقار
دو تیغیں ہیں علیؑ کے گھرانے کی یادگار
گر بے عدیل میں ہوں تو یکتا ہے ذوالفقار
حاجت نہیں کسی کے لئے زیب و زین کی
عباسؑ کی میں تیغ ہوں اور وہ حسینؑ کی

(۹۵)

ہر معرکہ میں صاحبِ عزت رہا ہے کون؟
پہنے ہوئے لباسِ حکومت رہا ہے کون؟
زیبندۂ صریرِ حکومت رہا ہے کون؟
پہلو نشینِ تختِ نبوت رہا ہے کون؟
فکر اپنی اپنی جا پہ ہے دونوں کو نام کی
ہے وہ عطا رسولؐ کی اور میں امامؑ کی

(۹۶)

اک سے رکی نہ قلب کی بڑھتی ہوئی امنگ
عالم کے سرکشوں کو کیا زندگی سے تنگ
دنیا کے انقلاب کا دیکھے ہوئے ہیں رنگ
ان دونوں آئینوں سے ہے تزئینِ روز جنگ
تصویریں ہیں کھنچی ہوئی حسنِ قبول کی
مجھ میں علیؑ کی شکل ہے اس میں رسولؐ کی

(۹۷)

دعویٰ جسے نبرد کا ہو وہ ہنر دکھائے
مرحب کی طرح کوئی مرے سامنے تو آئے
سوئے سقر جو جائے تو بے دو ہوئے نہ جائے
میری ادا پہ جنگ میں دھوکا کوئی نہ کھائے
جھک کر اگر گروں دلِ گیتی کے پار ہوں
دوبار اگر چمک کے اٹھوں ذوالفقار ہوں

(۹۸)

غازی کا بچپنے ہی سے ہمسر نہیں کوئی
برہم کنندۂ صفِ لشکر نہیں کوئی
بیشے کا مرتضیٰؑ کے غضنفر نہیں کوئی
مجھ سی حسام ان سا دلاور نہیں کوئی
غازی کو دھوپ میں نہ نکالا حسینؑ نے
سائے میں تیغِ تیز کے پالا حسینؑ نے

(۹۹)

اس دن کے انتظار میں کٹتے تھے ماہ و سال
اس جنگ کے لئے تھا ذخیرہ علیؑ کا لال
ایسی لڑکپنے سے رہی حسرتِ جدال
کاٹھی میں میں چلا کی سلامت روی کی چال
لائی امیدِ شوق بنِ بوتراب تک
کاٹا ہے بچپنے سے زمانہ شباب تک

(۱۰۰)

میری برش کا دل پہ اثر بد خصال لیں
بسمل تڑپ کے دید کا ارماں نکال لیں
خیبر کی طرح دل کی زمیں دیکھ بھال لیں
پھر آ کے جبرئیل پروں سے سنبھال لیں
گردوں کی طرح رنگِ تغیر پلٹ نہ دوں
میں وہ نہیں ہوں تیغ جو دنیا الٹ نہ دوں

(۱۰۱)

اللہ رے غیظ و برہمیٔ بازوئے امامؑ
دو ہو رہے تھے وقتِ وغا پہلوانِ شام
دل میں قدم کی طرح نہ روحوں کو تھا قیام
جکڑا ہوا تھا تیغ کے ڈورے میں اژدہام
مجبور تھے سوار و پیادہ کا بس نہ تھا
اک طرح نقش، تیغ میں تھے پیش و پس نہ تھا

(۱۰۲)

مانے ہوئے تھے رعب دلیروں کے روئے زرد
اک تہلکہ کئے تھے زمیں پر دلوں کے درد
بیٹھی ہوئی تھی دوشِ سواراں پہ رن کی گرد
حیرت سے دیکھتی تھیں کمانیں دمِ نبرد
بگڑی ہوئی تھی جنگ میں قسمت سپاہ کی
تیروں کو روک لیتی تھی قوت نگاہ کی

(۱۰۳)

نکلا پرے سے جو اسے دو بڑھ کے کر گئے
وہ رن میں منتشر ہوا جس غول پر گئے
جن پر پڑی نگاہ وہ چہرے اتر گئے
گھوڑے کو چھیڑ کر اِدھر آئے اُدھر گئے
تھی ہو بہو جو شکل شہؑ قلعہ گیر کی
تصویر پھر رہی تھی جنابِ امیرؑ کی

(۱۰۴)

مل کر گلے جو تیغ چلی کہہ اٹھا جماؤ
پانی کا زور پا کے بھی بہتی نہیں ہے ناؤ
کیسی یہ دھار ہے جو نہیں زخم سے لگاؤ
جرّار مسکرا کے پکارا قسم تو کھاؤ
زینِ فرس سے خاک پہ بیداد گر، گرے
تن کو اگر ذرا سی ہو جنبش تو سر گرے

(۱۰۵)

آفت کا تھا دلیر کے حملوں سے انتشار
بیٹے سے بے خبر تھا پدر وقتِ گیرو دار
ٹیکے ہوئے زمین پہ زانو تھے کوہسار
گھوڑوں کی دوڑ دھوپ سے پس پس گئے غبار
تھے منتشر لباس کے ٹکڑے پھٹے ہوئے
چہروں پہ تھے غبار کے حصے بٹے ہوئے

(۱۰۶)

تلوار کے سوا کوئی پانی کہاں سے لائے
زانو پہ زخمیوں کا بھلا کون سر اٹھائے
حکمِ قضا یہ ہے کہ کوئی اس طرف نہ آئے
بسمل تڑپ کے دوسرے بسمل سے مل نہ جائے
ہیں کش مکش میں روح و دم آپس کی پھوٹ سے
زہریلے زخمِ تن ہیں پھریرے کی چھوٹ سے

(۱۰۷)

عالم میں ایک کو بھی نہ تھی برہمی کی تاب
جھپٹے کبھی غضب میں جو نزدیکِ شیخ و شاب
کروٹ زمین لے کے پکارے بہ اضطراب
مٹی مری خراب نہ ہو یا اباترابؑ
دنیا کے انقلاب میں اب کتنی دیر ہے
بگڑا ہوا حضور کے بیٹے کا شیر ہے

(۱۰۸)

لفظوں میں بھی دُہل کو دہلنے سے اشتراک
نقارے کیا کراہیں کہ دل میں پڑے ہیں چاک
خود باجے والے اپنے ہی غصہ سے ہیں ہلاک
قرنا کی کیا خطا ہے کہ منھ میں بھری ہے خاک
کُل صاحبانِ نطق جو ہیں درد مند ہیں
اک چلنے والی تیغ کے نالے بلند ہیں

(۱۰۹)

وہ دوپہر کی دھوپ وہ آتش فشاں حسام
چھائی ہوئی وہ خاک وہ صحرائے تیرہ فام
وہ بادِ تند و تیز وہ اکھڑے ہوئے خیام
ڈرتی ہوئی وہ فوج وہ بہکے ہوئے خرام
برباد کر رہی ہے تباہی کسی جگہ
افسر کسی جگہ ہیں سپاہی کسی جگہ

(۱۱۰)

بہتا ہوا وہ رخ پہ پسینہ وہ سرخ رنگ
تیرِ نظر سے لڑ کے گرے پڑتے تھے خدنگ
ہنس دیتا تھا دلیر دم زور و شورِ جنگ
پہلو کو گدگداتی تھی جب فتح کی امنگ
سیدھے کئے تھے وہ بھی جو رستے تھے پھیر کے
دس دس کو قتل کرتے تھے کاوے میں گھیر کے

(۱۱۱)

دریا کی سمت جانے میں اب کچھ نہیں ہے دیر
ہیں وہ سپہ میں قید جو ہیں زندگی سے سیر
اب تو جری کے ہاتھ میں ہیں قسمتوں کے پھیر
بگڑی ہوئی لڑائی ہے بپھرا ہوا ہے شیر
غازی شکستِ فاش ہزاروں کو دے چلا
جمِّ غفیر رن سے ترائی میں لے چلا

(۱۱۲)

وہ انتشارِ فوج وہ گیتی کا اضطراب
قبضے وہ گرم تیغوں کے وہ دھوپ کا شباب
نصف النّہار تک جو ملا دورِ آفتاب
یاد آ گئی غدیر کی چھوٹی ہوئی شراب
سابق کی کیفیت مرے طرزِ عمل سے ہے
جلتی ہوئی شراب کی عادت ازل سے ہے

(۱۱۳)

بیٹھا ہوں بن میں قصرِ سلاطیں کو چھوڑ کے
موڑوں گا منھ تپش سے نہ میں دیں کو چھوڑ کے
لوں گا بہشت دہر کے آئیں کو چھوڑ کے
ہے طُرفہ سیر جامِ نگاریں کو چھوڑ کے
امید اور بڑھ گئی ہے اضطراب سے
مٹی کا جام مانگتا ہوں بو ترابؑ سے

(۱۱۴)

لائی ہے دور سے کششِ محفلِ طرب
رندو! رہے خیال میں اس بزم کا ادب
کم مے ہمیں نے پائی ہے یوں کیوں کرو طلب
ساقی کا ہے ارے اسداللہ بھی لقب
ضرغامِ حق کلام سمجھتا ہے پھیر کے
پیمانہ ہے شراب کا پنجہ میں شیر کے

(۱۱۵)

پھر نونہالِ دیں کو ملا ہے شبابِ نو
ہے یہ زمین جلوہ گہہِ آفتابِ نو
خرمہ کے نخل ہیں سببِ انقلابِ نو
ہے وادئ غدیر سے رسمِ شرابِ نو
میکش ہوائے گرم سے مخمور ہو گئے
جتنے رُطب ہیں دانۂ انگور ہو گئے

(۱۱۶)

نشّہ کی کیفیت میں کہاں تک کروں بسر
وہ دور پر چمک رہی ہے تیغ شعلہ ور
میداں کی طرح بحر پہ برپا ہے شور و شر
ساحل تک آ گیا اسداللہ کا پسر
زخمی جگر بھی ہیں دلِ ناکام کی طرح
گردش سپاہِ ظلم کو ہے جام کی طرح

(۱۱۷)

گرمئ آفتاب سے ہے حشر آشکار
شعلے بھڑکتے جاتے ہیں مابینِ کارزار
ذروں کی طرح پھنک رہا ہے دشت کا غبار
چنگاریاں فلک سے برستی ہیں بار بار
بدلا ہوا تپش سے ہے صحرا کا روپ بھی
بے دم پڑی ہوئی ہے ترائی میں دھوپ بھی

(۱۱۸)

گھوڑا بڑھا بڑھا کے یہ کہتے ہیں دم بدم
مجھ کو جوانئ علی اکبرؑ کی ہے قسم
کُل فوج پھر نہ ہوگی اگر تھم گئے قدم
جلدی ہٹو فرات سے گھبرا رہے ہیں ہم
پیاسوں سے تم سبھوں کی برائی نہ جائے گی
ہم سے جگر کی آگ بجھائی نہ جائے گی

(۱۱۹)

تپنے لگا کچھ اور یہ میدانِ کارزار
چھوڑے ہوئے ہے فوجِ ستم رحم کا شعار
پیاسوں کو اب نہ ہوگا کسی طرح سے قرار
غربت زدہ سے پوچھ لو بچوں کا حالِ زار
کوشش ہے بنتِ شاہِؑ مدینہ کے واسطے
پانی ذرا سا دے دو سکینہؑ کے واسطے

(۱۲۰)

وہ ریگِ گرم پر ہیں جو خالق کا نور ہیں
لو دے رہے ہیں وہ جو دلِ ناصبور ہیں
یہ بھی تمہارے ہی تو جفا کے قصور ہیں
خیمہ کے گرد آگ ہے پانی سے دور ہیں
تم نے نہ قدر کی دل و جانِ بتولؑ کی
دم توڑتی ہے خاک پہ عترت رسولؐ کی

(۱۲۱)

جو تھے حباب وار وہ باقی نہیں ہیں دم
حملوں کی تاب لا نہ سکا لشکرِ ستم
کھا کر شکستِ فاش ہٹے نہر سے قدم
پانی میں ڈوب ڈوب کے ٹھنڈے ہوئے علم
پائی سزا شہیدوں کے خوں میں ڈبو کے ہاتھ
بھاگی سپاہ بحرِ ہزیمت میں دھو کے ہاتھ

(۱۲۲)

رن کی طرح نہ رہ سکا ساحل پہ اژدہام
نکلی تڑپ کے دھوپ ہٹا جب ہجومِ عام
تابندہ رہ سکے نہ چراغِ سپاہِ شام
منصور و فتح یاب ہوا بازوئے امامؑ
جس بحر کی ہوس تھی وہ جرار پا گیا
گھوڑا جری کا اڑ کے ترائی میں آ گیا

(۱۲۳)

کھولی علم سے مشکِ سکینہؑ بچشمِ نم
خم بھر آبِ نہر ہوا وہ فلک حشم
ٹھنڈی ہوا نے آ کے بڑھایا کچھ اور غم
بیتاب دل کو کر گئی یادِ شہِؑ امم
اٹھا دھواں جو قلب سے گیسو میں بل پڑے
رخ غم سے سرخ ہوگیا، آنسو نکل پڑے

(۱۲۴)

پیاسوں کی آرزو کو جو پانی پہ رکھ دیا
مشکیزہ دستِ موج نے غازی سے لے لیا
تھی جتنی پیاس مشک نے آب اس قدر پیا
اللہ رے خیال کہ خود بند منھ کیا
مٹ جائے فکرِ تشنہ دہانی کسی طرح
خیمہ میں لے کے جاؤں میں پانی کسی طرح

(۱۲۵)

آواز دی کہ اے سپہ خانماں خراب
کیا آرزو یہ ہے کہ پھر آجائے انقلاب
دیکھو گے زورِ بازوئے فرزندِ بو ترابؑ
لے جانا ہے حضورِؑ شہِ دیں یہ مشکِ آب
کیا اصل ابنِ سعد ہے لشکر نہ ہوئے گا
آگے اگر بڑھے تو کوئی سر نہ ہوئے گا

(۱۲۶)

آواز دی یہ فوج نے بڑھ کر دمِ وغا
دیکھیں گے قوتِ جگر و جانِ مرتضیٰؑ
جھپٹے بڑے جلال میں عباسؑ با وفا
آئی صدا حسینؑ کی ہاں ہاں، یہ کیا کیا
بھائی نثار ہو یہ محلِّ وغا نہیں
بس صبر اب کرو کہ رضائے خدا نہیں

(۱۲۷)

سن کر صدائے سرورِؑ دیں تھم گیا دلیر
آواز دی سپاہ نے اب کس لئے ہے دیر
بڑھ بڑھ کے تن پہ وار کرو گھر گیا ہے شیر
کہتی ہے بیکسی کہ ہوئے زندگی سے سیر
وہ مٹتے جاتے ہیں جو بل ابرو پہ آئے ہیں
حکمِ امامِؑ دیں جو نہیں، سر جھکائے ہیں

(۱۲۸)

مجبور اس طرح سے ملا جب وہ مہ جبیں
آمادۂ ستم ہوئی افواجِ اہلِ کیں
تیغوں سے چور ہونے لگا جسمِ نازنیں
زیں کی طرح سے ڈوب گئی خون میں زمیں
ظالم وہ کون سا ہے کہ جو ٹوکتا نہیں
پڑتے ہیں تن پہ وار جری روکتا نہیں

(۱۲۹)

قابو میں وقت جنگ ہے گو تیغ اور سپر
لیکن یہ فکر ہے کہ ہو ہر وار کا رگر
گو زخم سیکڑوں ہیں پر اپنی نہیں خبر
پڑ جاتا ہے سکینہؑ کی الفت کا یہ اثر
گھوڑے کو چھیڑ دیتے ہیں جانے کے واسطے
اٹھتے ہیں ہاتھ مشک بچانے کے واسطے

(۱۳۰)

یہ احتیاط بھی تو نہ کام آئی وقتِ جنگ
قسمت میں تو لکھا تھا پڑے مشک پر خدنگ
پانی کے انقلاب نے بدلا لہو کا رنگ
دل پر پڑی یہ چوٹ ہوئے زندگی سے تنگ
گرنے لگے تو مشک کا تسمہ پکڑ لیا
پیاری سکینہؑ کہہ کے کلیجہ پکڑ لیا

(۱۳۱)

آمادہ رن میں ظلم پہ تھا لشکرِ ستم
تیغوں نے پڑکے دستِ مبارک کئے قلم
کھایا وہ گرز سر پہ رکا جس سے دل میں دم
زیں سے گرے زمین پہ ٹھنڈا ہوا علم
رن میں مٹا دیا شہِؑ مرداں کے نام کو
باجوں نے شور کرکے خبر دی امامؑ کو

(۱۳۲)

اکبرؑ سے مڑ کے کہنے لگے سرورِؑ امم
بیٹا چچا شہید ہوئے مرگئے نہ ہم
اللہ رے باوفائی عباسِؑ ذی حشم
رکھے نہ حدِّ حکم سے باہر کبھی قدم
ارماں نکالے رن میں لعینوں کو ٹوک کے
سر دے دیا دلیر نے غصہ کو روک کے

(۱۳۳)

یہ کہہ کے نزدِ لاش چلے شاہِ مشرقینؑ
غم میں چچا کے تھا دلِ اکبرؑ کو بھی نہ چین
ہر گام کہتے جاتے تھے رونا ہے فرضِ عین
بابا چچا کے ساتھ اٹھی فوجِ دیں کی زین
رایت پہ انحصار تھا لشکر کے اوج کا
اب خاتمہ ہوا شہِؑ والا کی فوج کا

(۱۳۴)

میت پہ آئے ٹھوکریں کھاتے ہوئے جو شاہؑ
لاشہ جریؑ کا چھوڑ کے پیچھے ہٹی سپاہ
دل منھ تک آگیا، جو پڑی بھائی پر نگاہ
دیکھا زمیں پہ غش میں ہیں عباسِؑ عرش جاہ
دل میں وہ چبھ رہے ہیں جو کانٹے گلو کے ہیں
خود جس جگہ پہ ہیں وہیں تھالے لہو کے ہیں

(۱۳۵)

زانو پہ رکھ کے سر یہ پکارے امامِؑ دیں
عباسؑ کچھ بتاؤ تو حالِ دلِ حزیں
زخموں سے جسم میں نہیں خالی جگہ کہیں
تکلیف دے رہی ہو نہ جلتی ہوئی زمیں
بے ہوش تم جو ہو تو نہیں ہوش میں حسینؑ
لے کس طرح سے بھائی کو آغوش میں حسینؑ

(۱۳۶)

ٹپکے رخِ دلیر پہ جب اشکِ چشمِ شاہؑ
چونک اٹھے غش سے حضرتِ عباسؑ عرش جاہ
سر زانوئے امامؑ سے سرکا کے کی اک آہ
پھر فرق لے کے گود میں بولا علی کا ماہ
تم غم مرے ملال کا کھائے ہو کس لئے
زانو سے اپنے سر کو ہٹائے ہو کس لئے

(۱۳۷)

جب بار بار شاہؑ نے پوچھا تو یہ کہا
تنہائی امامِؑ دو عالم کا غم ہوا
آیا ہے یاد اپنے بزرگوں کا واقعہ
جانے لگے جہاں سے جو پیغمبرؐ خدا
نکلا نبیؐ کا دم شہِؑ والا کی گود میں
احمدؐ کا سر تھا نزع میں بابا کی گود میں

(۱۳۸)

دنیا سے جب ہوا سفرِ شیرِ ذوالجلال
سر زانوئے حسنؑ پہ تھا ہنگامِ انتقال
عالم کو چھوڑنے لگا جب فاطمہؑ کا لال
زانو پہ آپ سر کو لئے تھے بصد ملال
ہے آج انتقال شہِؑ مشرقین کا !
زانو پہ کون ہے کہ جو لے سر حسینؑ کا

(۱۳۹)

رونے لگے یہ کہہ کے علمدارِ ذی وقار
اکبرؑ کو پھر طلب کیا با چشمِ اشکبار
کچھ جھک کے کان میں کہا ہنگامِ احتضار
زحمت جو اتنی کی تو ہوا قلب بے قرار
یوں آئیں ہچکیاں کہ طبیعت بگڑ گئی
خوں دل کے زخم دینے لگے سانس اکھڑ گئی

(۱۴۰)

تابِ نفس اٹھا نہ سکا جسمِ ناتواں
دوبار کچھ خفیف سی جنبش ہوئی عیاں
بے حد جو تھی زمیں کی تپش قلب پر گراں
گل کی طرح سے ہنس کے سدھارے سوئے جناں
دل کی تڑپ نے شاہِؑ زماں کو رلا دیا
خود یوں ہنسے کہ سارے جہاں کو رلا دیا

(۱۴۱)

بیتاب غم سے چرخ جدا تھا زمیں جدا
نالاں جگر جدا تھا تو قلبِ حزیں جدا
دامن الم سے چاک جدا آستیں جدا
اکبرؑ تڑپ رہے تھے جدا، شاہِؑ دیں جدا
مقتل میں مرتضیٰؑ و پیمبرؐ کے بین تھے
پہلو میں فاطمہؑ تھیں سرہانے حسینؑ تھے

(۱۴۲)

بیٹے سے شاہؑ نے اسی عالم میں یہ کہا
کیا تم سے کہہ گئے ہیں علمدارِ باوفا
کی عرض مرتے وقت یہ فرما گئے چچا
آجائے دشتِ ظلم میں جس دم مجھے قضا
خواہش نہ بھولنا جو بنِ مرتضیٰؑ کی ہے
بیٹا یہ تم سے ایک وصیت چچا کی ہے

(۱۴۳)

مٹنے نہ دینا تم یہ مرے دل کا مدعا
لے جانا لاش تابہ بنِ سعد بے حیا
کہنا یہ کر گئے ہیں وصیت مرے چچاؑ
جو بعدِ مرگِ شاہ ہو مجھ پر وہ کر جفا
عزت نہ مٹنے پائے شہِؑ مشرقین کی
پامال ہو نہ میت بے سر حسینؑ کی

(۱۴۴)

بولے یہ جھک کے لاش سے شاہنشہِ زماں
عباسؑ اس خیال پہ قرباں نبیؐ کی جاں
تم سا نہ پاسکے جو پھرے لاکھ آسماں
ایسے سعید ملتے ہیں اس دہر میں کہاں
منہ خوں کے آنسوؤں سے مصیبت میں دھوئیں گے
احباب اس وفا پہ زمانے میں روئیں گے

(۱۴۵)

اٹھے یہ کہہ کے لاش سے شاہنشہِ امم
باندھی نشاں میں مشکِ سکینہؑ بدرد وغم
خوں سے بھرا ہوا شہؑ دیں لے چلے علم
ڈیوڑھی تک آئے رن سے جو سلطانِؑ ذی حشم
کچھ اور بڑھ گئے جو تصور امامؑ کے
روئے حسینؑ ہاتھ میں پردے کو تھام کے

(۱۴۶)

پہلے سے منتظر تھی ادھر آلِ مصطفیؐ
سن کر صدا حسینؑ کی کہرام پڑ گیا
بڑھ آئیں نزد سرورِؑ دیں بنتِ مرتضیٰؑ
بھائی سے لے لیا علمِ لشکرِ خدا
زیرِ نشاں بدرد و الم پیٹنے لگے
ماتم کی صف پہ اہلِ حرم پیٹنے لگے

(۱۴۷)

بولیں یہ رو کے زوجۂ عباسؑ مہ جبیں
ہے کس طرف کو قوتِ بازوئے شاہؑ دیں
رایت کہیں پہ نصب ہے اور آپ ہیں کہیں
کس کے لہو سے سرخ ہوئی دور تک زمیں
غم مشک کا بھی ہے دلِ اندوہناک پر
پانی کے بدلے خون ٹپکتا ہے خاک پر

(۱۴۸)

کیسا کیا سلوک یہ اے شیرِ حق کے لال
باقی یہ جتنی عمر ہے وہ ہوگئی وبال
کس منہ سے یہ کہوں کہ ہوا رن میں انتقال
اب تک نہ جو کھلے تھے پریشاں ہوئے وہ بال
تدبیر کیا ہو دہر سے جانے کے واسطے
زندہ ہوں رن کی خاک اڑانے کے واسطے

(۱۴۹)

لشکر کی کم امامِ امم پر جفا نہیں
رنج و غم و ملال کی اب انتہا نہیں
غربت زدوں کا رن میں کوئی آسرا نہیں
کشتی تباہ ہوتی ہے اور ناخدا نہیں
ماتم کہاں پہ بیٹھ کے یہ نوحہ گر کرے
زنداں میں جائے یا سرِ تربت بسر کرے

(۱۵۰)

کچھ تو بتاؤ اے خلفِ شیرِ ذوالجلال
پردیس میں اسیر کریں گے زبوں خصال
تکلیفِ قیدِ لشکرِ کیں اور یہ خرد سال
کیا مجھ سے پل سکیں گے بھلا اتنے سن کے لال
ماں سے یہ کہہ رہے ہیں سر لاش جائیں گے
لو یہ ابھی سے ہٹ ہے کہ میت اٹھائیں گے

(۱۵۱)

تیغیں کمر میں باندھ چکے ہیں یہ گلعذار
گر ہے تو حکمِ سرورِ دیں کا ہے انتظار
جائیں کہیں نہ شیر کے بچے پئے شکار
پڑتی ہے آنکھ مشکِ سکینہؑ پہ بار بار
ہم کو امامؑ دیں صفِ اعدا پہ بھیج دیں
ہر دل کی آرزو ہے کہ دریا پہ بھیج دیں

(۱۵۲)

لے کون چھوٹے چھوٹے صغیروں کا امتحاں
ننھی سی آستین الٹنے کو ہے جہاں
اللہ رے پھٹے ہوئے کرتے کی آن باں
ماتھے پہ خاک مل کے بڑھائی ہے رخ کی شاں
غازی بنے فراق میں صورت بگاڑ کے
غصہ بڑھالیا ہے گریباں کو پھاڑ کے

(۱۵۳)

یہ کہہ کے پیٹنے لگی وہ سوختہ جگر
ہمراہ مجھ کو لے کے کرو خلد کا سفر
یہ امر ہے تمہاری وفا سے بعید تر
چھوڑو ہمیں وہاں پہ جو دنیا ہو رہ گذر
زندہ رہی میں اشک بہانے کے واسطے
تھاما تھا ہاتھ ٹھوکریں کھانے کے واسطے

(۱۵۴)

ذاخرؔ بس اب نہیں جگر و دل کو غم سے تاب
دریا بنا ہوا ہے ہر اک دیدۂ پُر آب
یہ عرض کر کہ اے جگر وجانِ بوتراب
قبضہ میں آپ کے ہے زمانے کا انقلاب
ہم کس سے جاکے دردِ جگر کا گلہ کریں
آسان مشکلیں ہوں جو مولاؑ دعا کریں

[ماخوذ از نظارہ لکھنؤ، مرثیہ نمبر فروری ۱۹۷۲ء، صفحہ نمبر ۱۳]

❀❀❀

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۰ رکا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

یزید اپنے مشن میں ناکامیاب رہا رسولؐ کا بھرا گھر برباد کردیا جو چند ساعت میں ۲۷ خون کئے، مگر حسینؑ سے بیعت لینے میں ناکامیاب رہا۔

حسینؑ نے اگر بیعت سے انکار کیا تو تادم آخر اپنے ارادے میں ثابت قدم رہے اور دکھادیا کہ راہ راست پر چلنے والے جان ومال کی پرواہ نہیں کرتے۔

یہی تھی حسینؑ کی وہ لاثانی سیاست جو آج تک دلوں پر حکومت کررہی ہے۔ امام حسینؑ کو شہید ہوئے تقریباً چودہ سو برس ہوچکے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سانحہ ابھی حال ہی میں ہوا ہے۔ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے۔

دنیا حسینؑ کی پیروی کرتی جاتی ہے۔

اوروہ زمانہ اب دور نہیں کہ:۔

ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

(ماخوذ از ماہنامہ مدینۃ العلم لکھنؤ سید الشہداء نمبر ۱۴۰۳ھ)

❀❀❀